ڈاکٹر ثریا ڈار

اٹھارھویں صدی میں برصغیر میں علمی ترقی کے ذرائع

کسی قوم کی تہذیبی ترقی اور علمی وسعت کے لیے ان کے ہاں متعدد قومی کتب خانوں کا مسلسل اور مرتب طور پر موجود ہونا اشد ضروری ہوتا ہے۔ جس قوم میں یہ علمی ذرائع موجود نہ ہوں، وہ قوم عدم مطالعہ کے باعث کبھی بھی مناسب انداز میں جہالت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اٹھارھویں صدی عیسوی میں برصغیر پاک و ہند میں دو لائبریریاں موجود تھیں، جن میں ایک لال قلعہ دہلی کا کتب خانہ، جس میں اسلامی حکومت کے دور سے کتابوں کے جمع کرنے کا عمل شروع ہو چکا تھا اور دوسرا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا کتب خانہ، جس کی ابتدا ان کے دادا شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی نے کی تھی۔ پھر ان کے بیٹے شاہ ولی اللہ نے اس میں بے شمار کتب کا اضافہ کیا۔ شاہ (ولی اللہ) صاحب کے بعد شاہ عبدالعزیز کے زمانے میں کتابوں کی معتد بہ افزائش سے یہ ایک باقاعدہ اور منظم کتب خانہ بن چکا تھا۔ شاہ عبدالعزیز کے عہد میں ان کتابوں میں مسلسل اضافے کے علاوہ اس دور کے گورنر جنرل نے اسی مقصد کے لیے ایک بڑی رقم بھی ان کی نذر کی تھی اور اس کتب خانے کی ترقی کے لیے مصر اور عرب وغیرہ سے بھی کتابیں منگوا کر دی تھیں، گویا برصغیر میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا کتب خانہ ایک عظیم الشان کتب خانہ تھا۔

شاہ عبدالعزیز کے دادا شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی نے عالمگیر کے عہد میں کتب خانے کے آغاز کے ساتھ ساتھ پرانی دہلی میں ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا۔ برصغیر کا یہ تعلیمی مرکز عظیم معلمین اور مدرسین کی عظمت کے باعث غیر معمولی اہمیت کا حامل تھا۔ یہ مدرسہ ایک درس گاہ کے علاوہ انقلابی تحریک کا مرکز ہونے کے ساتھ ساتھ ایک خانقاہ کی حیثیت بھی رکھتا تھا۔ ابتدا میں اس مدرسے میں طلبا کی تعداد زیادہ نہ تھی۔ اس دور کے نمایاں اور ممتاز طالب علم شاہ ولی اللہ اور بدر الحق جھلتی ہیں۔ شاہ عبدالرحیم کی حیاتِ مبارکہ میں ہی شاہ ولی اللہ نے تحصیلِ علوم سے فراغت پانے کے بعد اس درس گاہ میں مدرس کے فرائض سرانجام دینے شروع کر دیے تھے۔ اپنے والدِ بزرگوار کی وفات کے بعد جب شاہ صاحب ان کے قائم مقام اور خلیفہ مقرر ہوئے تو اس مدرسے کی ترقی کے لیے پوری توجہ مبذول کر دی اور بہت محنت

اور احساس ذمہ داری سے طالبانِ ہدایت کی راہنمائی کے لیے تقریباً بارہ سال تک دینیات اور معقولات کی کتابوں کی درس و تدریس میں مصروف رہے۔ اس دوران میں معقول و منقول کی تحصیل کے لیے سیکڑوں تشنگانِ علم جوق در جوق اس مدرسے میں آنے لگے۔ اس سے استفادہ کرکے انھوں نے بے شمار لوگوں میں علم کی روشنی پھیلائی۔ شاہ ولی اللہ نے مسندِ تدریس پر جلوہ افروز ہوتے ہی نصابِ تعلیم میں ترمیم کرنے کے علاوہ درسِ قرآنِ کریم کو نصاب کا ایک حصہ قرار دیا اور شاہ محمد عاشق کو ترجمہ قرآن پڑھانے کے بعد اس ترجمے کو قلم بند کرنا شروع کیا، جس کا ایک حصہ سفرِ حج سے پہلے، باقی حصہ سفرِ حج کے بعد ۱۱۵۱ھ (۱۷۳۹ء) میں مکمل کیا۔ ۱۱۵۶ھ (۱۷۴۴ء) میں خواجہ محمد امین کشمیری نے اس مدرسے میں اس ترجمے کو نصابِ تعلیم کا ایک جزو بنا لیا۔ بارہ سال تک اس مدرسے میں خدمتِ تدریس دینے کے بعد ۱۱۴۳ھ (۱۷۳۱ء) میں شاہ ولی اللہ حرمین شریفین تشریف لے گئے اور وہاں حج و زیارت کے دوران میں محدثینِ حرمین سے استفادہ کیا۔ حج سے واپس تشریف لاکر "مدرسۂ رحیمیہ" کی محفل کو از سرِ نو گرم کیا اور حدیث و تفسیر کا درس دینا شروع کیا۔ گویا شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے بعد اس دور میں شاہ ولی اللہ نے درسِ حدیث کی ترویج کا آغاز کیا۔ پرانی دلّی اندرون ملک اور بیرونی ممالک سے آنے والے شائقینِ علمِ حدیث کے لیے دارالحدیث بن گئی۔ یعنی اس وقت یہ تعلیمی مرکز علوم تفسیر و حدیث کا سرچشمہ اور علم فقہ کا مخزن بن گیا تھا۔ سفرِ حج سے پہلے بارہ سال کے عرصے میں جو تلامذہ فارغ التحصیل ہو چکے تھے، ان میں شاہ محمد عاشق، اخون محمد سعید، خواجہ محمد امین کشمیری اور شاہ اہل اللہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ یہ حضرات سفرِ حج کے بعد مدرسۂ رحیمیہ میں شاہ ولی اللہ کے رفیق و معاون ثابت ہوئے۔ جب شاہ ولی اللہ کی کوشش سے ہر فن میں بہترین استاد پیدا ہو گئے اور خاص طور پر ان کے فنون نکھرنے کے ساتھ ساتھ تدریس کی تربیت بھی ہو چکی تو شاہ صاحب نے درس و تدریس کو چھوڑ کر اپنے آپ کو فکر و تحقیق اور تصنیف و تالیف کے لیے وقف کر لیا، جیسا کہ شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ:

"حضرت والد ماجد از ہر یک فن شخصے طیار کردہ بودند طالب ہر فن با وے می سپردند و خود مشغول معارف [illegible] نویسی بودند و حدیث می خواندند بعد مراقبہ ہر چہ بکشف می رسید می نگاشتند مریض ہم کم [illegible]"

---

۲ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی - ملفوظات - ص ۴۰، مطبع مجتبائی میرٹھ - ذی قعد ۱۳۱۴ھ

شاہ صاحب کے عہدِ درس و تدریس میں تلامذہ کی تعداد اگرچہ کم رہی، لیکن پھر بھی یہ دور مدرسے کا حسین ترین دور تھا۔

حج سے مراجعت کے بعد شاہ صاحب کے علمی کمالات کی شہرت ہونے پر اطراف و اکناف سے تشنگانِ علم حدیث مدرسے میں استفادے کی غرض سے سیلِ رواں کی طرح آنے لگے۔ اب مدرسۂ رحیمیہ کی وسعت ان کے لیے تنگ ہوئی تو محمد شاہ بادشاہ نے شاہ جہاں آباد میں ایک عالی شان حویلی مدرسے کو دے دی۔ قدیم مدرسہ غیر آباد ہو گیا اور نئے مدرسے نے ایک بہت بڑی جامعہ کی حیثیت اختیار کر لی۔ شاہ عبدالعزیز سولہ سال کی عمر میں اس درس گاہ سے مختلف علوم میں کامیابی حاصل کر چکے تھے۔ وہ اتنی چھوٹی عمر میں تمام علمی مراحل میں اپنے ہم عصروں سے فوقیت لے گئے۔ اپنے زمانے کے اس جید باعمل عالم اور علوم دینیہ کے متبحر مفکر کو اپنے والد بزرگوار سے سند حاصل کرنے کے بعد درس و تدریس کا شوق پیدا ہوا، لیکن والد بزرگوار کے عزت و احترام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ان کی حیاتِ مبارکہ میں درس و تدریس کے میدان میں قدم رکھنے کو اپنے والد بزرگوار کی ہم عصری کی جرأت نہ رکھتے تھے، لہٰذا جب رأس العلما شاہ ولی اللہ وفات پا گئے تو مجبوراً آپ کو اپنے والد بزرگوار کی درس گاہ کو آباد کرنا پڑا۔ یہ تھا مدرسۂ رحیمیہ کا پہلا دور۔

شاہ ولی اللہ کے انتقال کے بعد مدرسۂ رحیمیہ کی صدارت کا بوجھ شاہ عبدالعزیز نے نہایت ہمت و استقلال سے برداشت کیا۔ اس وقت ان کے رفیقوں میں ان کے اساتذہ کرام اور شاہ ولی اللہ کے معاون بھی مدرسے کی بہترین کارکردگی میں ان کے مددگار رہے۔ جب شاہ رفیع الدین بھی فارغ التحصیل ہو گئے تو مدرسے کے ارکان میں ایک جواں سال باہمت رکن کا اضافہ ہو گیا۔ چند سال بعد شاہ عبدالقادر کا شمار بھی مدرسین کی فہرست میں ہونے لگا۔ بعد ازاں چاروں بھائیوں (شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر، شاہ عبدالغنی) کے اخلاف، فخر روزگار شاہ محمد اسحاق شاہ محمد یعقوب، شاہ محمد اسمٰعیل، شاہ محمد مخصوص اللہ، شاہ محمد موسیٰ اور شاہ عبدالعزیز کے بعض تلامذہ نے مدرسے میں طالبانِ علوم دین کی تشنگی کو دور کرنے کے لیے درس و تدریس کا آغاز کر کے اس مدرسے کو چار چاند لگا دیے۔ شاہ عبدالعزیز کے درس قرآن کا سلسلہ، جو بہت دل نشین و مؤثر اور ... و قابلِ فہم انداز میں شروع ہوا تھا، طلبا سے زیادہ عوام کی دلچسپی کا مرکز بن گیا۔ اس ترتیب دور کے مزید مدرسین

خواجہ محمد امین کشمیری، بابا فضل اللہ، شاہ محمد عاشق، شاہ نور اللہ اور مولوی عبد الحی بڈھانوی ہیں۔ اپنے عہد میں شاہ عبد العزیز کے تلامذہ کا شمار ہزاروں تک پہنچ جاتا ہے۔ شاہ عبد العزیز کے فتاوے کی ضخیم جلد سے اندرون و بیرون ممالک سے ان کی طرف زبانی و تحریری سوالات کے تسلسل اور رجوع کرنے والوں کا اندازہ لگانا بہت آسان ہے۔ شاہ عبد العزیز کی حیاتِ مبارکہ میں ان کی بیماری کے باعث اس مدرسے کی صدارت کے فرائض شاہ رفیع الدین نے سرانجام دینے شروع کر دیے تھے۔ شاہ عبد العزیز کی زندگی میں ہی شاہ عبد القادر، اکبر آبادی مسجد کے حجرے میں قیام پذیر تھے۔ اس لیے طلبا ان سے استفادے کی غرض سے تشنگیٔ علم کو دور کرنے کے لیے جاتے تھے، لیکن ۱۲۳۹ھ (۱۸۱۷ء) میں آپ کے انتقال پر شاہ محمد اسحاق اپنے نانا کے جانشین مقرر ہوئے۔

شاہ عبد العزیز کی وفات پر ان کے نواسے شاہ محمد اسحاق مدرسے میں صدر، خلیفہ اور جانشین مقرر ہوئے۔ اس دور کے مدرسین میں شاہ محمد یعقوب، شاہ مخصوص اللہ، شاہ محمد موسیٰ اور مولانا فخر الدین خان کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ صدر المدرسین شاہ محمد اسحاق، محنت و لگن اور جانفشانی و تن دہی سے اپنا تمام وقت درس و تدریس میں گزارتے، کیونکہ وہی مدرسۂ عزیزیہ کے نگرانِ اعلیٰ تھے۔ انیس سال بعد شاہ محمد اسحاق کی ہجرتِ حرم شریف پر اس مدرسے کی ڈیڑھ سو سالہ تاریخ کا اختتام ہو گیا۔ محمد شاہ رنگیلے نے دہلی میں جو شاہ ولی اللہ کو اس مدرسے کے لیے جگہ دی تھی، دلی کے پرانے کھنڈرات کا ماہر مولوی بشیر الدین احمد اس محمد شاہی عطیہ کے بارے میں اس طرح رقم طراز ہے:

"یہ مدرسہ کسی زمانے میں نہایت عالی شان اور خوب صورت تھا اور بڑا دار العلوم سمجھا جاتا تھا۔"[۵۲] اس درس گاہ کی پختگی اور استحکام کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ یہ مدرسہ ۱۸۵۷ء تک اپنی اصلی حالت پر قائم تھا۔ بقول بشیر الدین احمد "غدر میں مکانات لوٹ لیے گئے، گرا دیے گئے، کڑی تختی تک لوگ اٹھا لے گئے، خانہ خالی را دیو می گیرد۔ ایک شریف گردی تھی کہ الٰہی توبہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس، جس پر جس کا قابو چلا، قابض ہو گیا۔ اب متفرق مکانات اس جگہ بن گئے ہیں، مگر محلہ شاہ عبد العزیز صاحب مدرسے کے نام سے آج تک پکارا جاتا ہے۔"[۵۳] یہ مدرسہ

۵۲۔ مولوی بشیر الدین احمد، واقعات دار الحکومت دہلی۔ ج دوم، ص ۱۷۳۔ شمسی مشین پریس آگرہ۔

۵۳۔ ایضاً۔ ص ۱۷۳۔

اندازاً چالیس سال تک غیر آباد رہا۔ بالآخر شاہ رفیع الدین کے نواسے مولوی سید ناصر الدین کے پوتے مولوی سید احمد نے ۱۹۰۸ء میں ایک مطبع کے ساتھ ایک مدرسہ بھی قائم کیا اور اس مدرسے کا نام "مدرسۂ عزیزی" تجویز کیا۔

شاہ عبدالعزیز جیسے لاثانی عالم اور شاہ محمد اسحاق جیسے بلند پایہ فاضل کی بابرکت مجلسوں میں دن رات طلبا کا جم غفیر رہتا تھا، جو ان سے تمام علوم میں استفادہ کرتے تھے۔ استاذ مکرم کبھی دن کا تمام حصہ طلبا کے ساتھ درس و تدریس میں گزارتے تھے سوائے تھوڑے سے وقت کے، جب کہ وہ فتاویٰ نویسی اور وعظ میں مصروف ہوتے۔ ہندوستان کے علاوہ بیرون ممالک سے اکثر علما جو دستارِ فضیلت باندھے ہوئے ہوتے، ان کی خدمت میں حاضر ہو کر زانوئے تلمذ تہہ کرتے اور نکاتِ علمی حل کرتے تھے۔ شاہ عبدالعزیز اپنے وقت کے مجتہد علما اور مستند دینی فضلا میں منفرد تھے۔ ان کی بے ساختہ جواب دہی پر کوئی بھی ان کے سامنے کسی عقلی یا نقلی دلائل پر لب نہیں کھول سکتا تھا۔ ان کے مؤثر حسنِ بیان سے ہر موافق و مخالف کا سر تسلیم خم ہو جاتا تھا۔ انھوں نے اپنی تمام عمر تعلیم و تلقین اور تصنیف و تالیف میں گزاری۔ ان کے علوم و فنون کے سرچشموں سے ہزاروں تشنہ لب سیراب ہوئے کہ جن کا احصا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ تسلسلِ حوادث سے یہ شمع گُل ہونے پر بھی اس سے روشن و فروزاں ہونے والے تمام اسلامی دنیا کے فیض یافتہ علما مختلف علاقوں میں اس کی سیکڑوں شاخیں کھولے ابھی تک سرگرم عمل ہیں۔ سرحد و پنجاب کے میدانوں میں رنجیت سنگھ کی فوجوں سے محاذ آرائی کرنے والے سرفروش مجاہدین بھی اسی درس گاہ سے درس جہاد لے کر نکلے تھے۔ جزائر انڈمان کے قبرستان میں اسی دبستان فکر و عمل کے مستفیدین اور متعلمین محو خوابِ راحت ہیں۔ مدرسے کا دوسرا دور اپنے ماقبل اور مابعد کے ادوار سے ہر پہلو اور ہر اعتبار سے ایک تابناک اور روشن دور تھا کہ جس سے ہزاروں لوگ تربیت پا کر برصغیر کی سرزمین کے آفتاب و ماہتاب بنے۔ ان میں سے چند شاگردانِ رشید کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ شاہ عبدالعزیز کے اساتذہ میں مشہور شخصیتیں آپ کے والدِ گرامی شاہ ولی اللہ، علاوہ ازیں شاہ محمد عاشق پھلتی، خواجہ محمد امین کشمیری اور شیخ نور اللہ بدھانوی۔ آپ کے شاگردوں میں آپ کے بھائی شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر، شاہ عبدالغنی، آپ کے نواسے شاہ محمد اسحاق، شاہ محمد یعقوب، آپ کے بھتیجے شاہ محمد اسمٰعیل، شاہ مخصوص اللہ۔ علاوہ ازیں مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی، رشید الدین دہلوی، مولانا فضل حق خیر آبادی، سید احمد شہید، قاضی ثناء اللہ

پانی پتی ، عبدالحی بڈھانوی ، مولوی محبوب علی دہلوی ، مولوی عبدالخالق دہلوی ، شاہ احمد سعید بن ابوسعید، شاہ ابوسعید، مولانا حسین احمد ملیح آبادی ، مولانا کریم اللہ دہلوی ، مولانا محمد شکور مچھلی شہری ، مولانا محمد بخش دہلوی ، مولانا خرم علی بلہوری ، مولوی حیدر علی رام پوری ، شاہ رؤف احمد مصطفیٰ آبادی ، مفتی الٰہی بخش کاندھلوی ، سید حیدر علی بن سید عنایت علی ، مولوی امام الدین ، مولانا سید اولاد حسن قنوجی ، مولانا حیدر علی فیض آبادی ، مولانا سید احمد علی بجنوری ، مولانا سلامت اللہ کشفی بدایونی ، مولانا سنار الدین احمد بدایونی ، مولانا شاہ سعید آل رسول برکاتی مارہروی ، اخوند حافظ عبدالعزیز قادری دہلوی ، مولانا سید محمد اسحاق بن سید محمد عرفان ، شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی ، مولانا غلام جیلانی رفعت رام پوری ، مولانا کرم اللہ محدث دہلوی ، شیخ قمرالدین حسینی سونی پتی ، مولانا سید رمضان علی امروہوی ، شیخ فضل حق عرف غلام مینا ساحر علوی کاکوروی ، مولانا شاہ ظہور الحق قادری پھلواروی ، مولوی ببر علی دہلوی اور مولوی دھومن سہارن پوری وغیرہم - یہ سب حضرات اسی سرچشمۂ علم سے سیراب ہوئے - مذکورہ بالا اصحاب آسمانِ علم کے وہ روشن ستارے ہیں ، جنھوں نے اپنے انوار کمالات سے دنیا کو چمکایا -

---

تشبیہاتِ رومی

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

مولانا جلال الدین رومی تشبیہ و تمثیل کے بادشاہ ہیں اور ہر قسم کے اخلاقی اور روحانی مسائل کو سلجھانے اور ہر باریک نکتے کی وضاحت کرنے کے لیے ایسی دلنشیں تشبیہ دیتے ہیں جو وجد آور بھی ہوتی ہے اور یقین آفریں بھی -

رومیات کے ماہر عالم ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم نے ان تشبیہات کی بڑے دلکش انداز میں تشریح کی ہے اور یہ بتلایا ہے کہ رومی نے دلکش و دلپذیر تشبیہوں سے کام لے کر حکمت و معرفت اور حیات و کائنات کے اسرار کس آسانی سے حل کر دیے ہیں -

صفحات ۶۱۲ قیمت ۳۵ روپے

ملنے کا پتا : ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ ، کلب روڈ ، لاہور